منتخب کلام
غلام محمد قاصر
انتخاب
شہاب صفدر
BOOKS GIVE US WINGS
NATIONAL BOOK FOUNDATION

○

تم یوں ہی ناراض ہوئے ہو ورنہ مے خانے کا پتا
ہم نے ہر اُس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

○

اکیلا دن ہے کوئی اور نہ تنہا رات ہوتی ہے
میں جس پل سے گزرتا ہوں محبت ساتھ ہوتی ہے

○

کچّی ہے گلی اس کی بارش میں نہ جا اے دل
اس عمر میں جو پھسلے مشکل سے سنبھلتا ہے

○

وہی دل تیرے دروازے پہ سب کچھ بھول جائے گا
جو دستک کا قرینہ اپنی ہر دھڑکن میں رکھتا ہے

○

گلابوں کے نشیمن سے مرے محبوب کے سَر تک
سفر لمبا تھا خوشبو کا مگر آ ہی گئی گھر تک
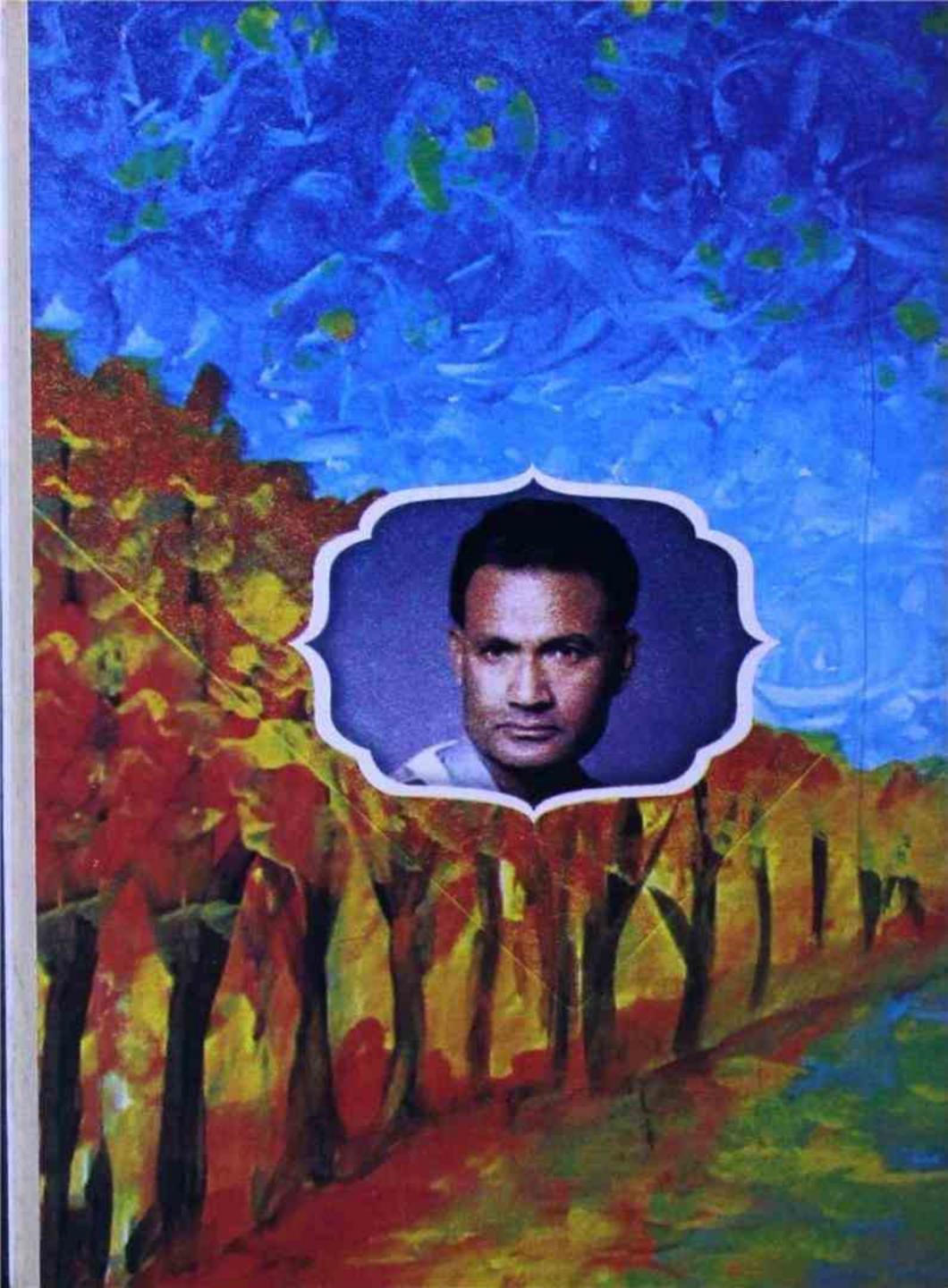
منتخب کلام

غلام محمد قاصر

انتخاب

شہاب صفدر

نیشنل بک فاؤنڈیشن
اسلام آباد

نگران : پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق جاوید
مرتب : شہاب صفدر

اشاعت : اگست، 2016ء
تعداد : 1000
کوڈ نمبر : GNU-585
آئی ایس بی این : 978-969-37-0966-7
طابع : نسٹ پریس، اسلام آباد
قیمت : -/100 روپے

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ
ویب سائٹ: http/www.nbf.org.pk یا فون 92-51-9261125
یا ای میل: books@nbf.org.pk

فہرست

منتخب کلام غلام محمد قاصر

عقیدتیں: حمد، نعت، سلام

نظمیں

غزلیں

متفرق اشعار

پیش لفظ

دراز قد غلام محمد قاصر ایک انتہائی شریف، کم گو اور پُر خلوص انسان تھے۔ ماتھے پر فکرِ سخن کی لکیریں اور ہونٹوں پر ہمیشہ ذکرِ سخن۔ پاک ٹی ہاؤس میں خالد احمد کی میز پر جب میری اُن سے پہلی ملاقات ہوئی تو وہ اپنی اولین مشہور غزل کہہ چکے تھے اور اُن کا درج ذیل شعر کوچہ و بازار میں گردش کر رہا تھا:

تم یونہی ناراض ہوئے ہو ورنہ مے خانے کا پتا
ہم نے ہر اُس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

چونکہ ان کا تعلق ڈی آئی خان سے تھا اور میں نے بھی ایف اے تک تعلیم اسی شہر میں حاصل کی تھی اس لیے جلد ہی شاعری کے علاوہ قربت کے کئی اور پہلو بھی نکل آئے۔ بلاشبہ وہ ایک خوش قسمت انسان تھے جنہیں شاعری کے آغاز میں ہی مقامِ عروج حاصل ہوگیا اور بعد ازاں اُنھوں نے اپنی وفات تک اس مقام کو نہ صرف استوار رکھا بلکہ اس میں درج ذیل منفرد نوعیت کے اشعار کہہ کر اضافہ بھی کیا:

کروں گا کیا جو محبت میں ہوگیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

غلام محمد قاصر کا شمار ستر کی دہائی میں سامنے آنے والے اُن چند اہم شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے غزلیہ اشعار کو ایک نئے انداز سے روشناس کرایا۔ آغاز میں اگرچہ انہوں نے غزل کی روایت کی پاسداری

کی مگر بعد ازاں جدید غزل کی طرف بھی راغب ہوئے اور عصری موضوعات کو اعتماد کے ساتھ اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔

اُن کا کلام خیال وفکر اور احساسات کے حوالے سے تنوّع کا حامل ہے۔ اپنے تجربات اور مشاہدات کو جس طرح غلام محمد قاصر نے بے ساختگی اور زبان کی صفائی کے ساتھ پیش کیا ہے وہ جدید غزل کا امتیاز رہا ہے۔

ان کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا بنیادی مسئلہ محبت اور انسان دوستی ہے۔ وہ خیر اور امن کے داعی ہیں اور یہی ان کا نظریۂ فن اور نظریۂ حیات ہے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن نے ''رنگِ سخن'' سیریز کے تحت ''اسمارٹ بکس'' کی اشاعت کا جو نیا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، زیرِ نظر انتخاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

غلام محمد قاصر کی شاعری کا انتخاب نوجوان شاعر شہاب صفدر نے ترتیب دیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اُن کے نمائندہ اشعار قارئین تک پہنچ جائیں۔ امید کی جاتی ہے کہ این بی ایف کی طرف سے کتاب کلچر کے فروغ کے سلسلے میں کی جانے والی ہماری دیگر کاوشوں کی طرح یہ کوشش بھی پڑھنے والوں کے لیے دل چسپی کا باعث بنے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق جاوید
(پرائڈ آف پرفارمنس)
مینیجنگ ڈائریکٹر

مشغلے سے مقصد تک

غلام محمد قاصر 4 ستمبر 1941ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے شمال میں واقع مشہور قصبے پہاڑ پور میں پیدا ہوئے (آج کل اس قصبے کو تحصیل کا درجہ حاصل ہو گیا ہے) ان کا بچپن نہایت عسرت اور تنگدستی میں گزرا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے والد کا انتقال ان کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا اور ترکے میں انہوں نے کوئی زمین وغیرہ نہ چھوڑی تھی جو پیدا ہونیوالے بچے اور اس کی ماں کے مستقبل کو محفوظ بناتی۔ نتیجتاً ماں محنت مزدوری کر کے اپنی اور بچے کی کفالت کرتی رہی۔ ان حالات میں انہوں نے بیٹے کو میٹرک تک بمشکل تعلیم دلوائی۔ سکول کا ہیڈ ماسٹر نہایت مہربان اور محنتی طلبہ کا قدردان تھا۔ جب غلام محمد قاصر نے میٹرک کا امتحان دیا تو ہیڈ ماسٹر نے انہیں اسی سکول میں ان ٹرینڈ ٹیچر بھرتی کروالیا۔ میٹرک کا رزلٹ آنے کے بعد انہوں نے جے۔ وی میں داخلہ لیا اور باقاعدہ پرائمری ٹیچر ہو گئے۔ آمدنی کا سلسلہ بنا تو پرائیویٹ تعلیم کا سلسلہ بھی آگے جاری کیا۔ 1968ء میں پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اردو کا امتحان پاس کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد مختلف محکموں میں کوشش کرتے رہے۔ دو سال کے لیے لاہور ریلوے میں آڈیٹر بھی رہے۔ لاہور کے ان دو برسوں نے انہیں احمد ندیم قاسمی اور حلقہ ''فنون'' کے بہت قریب کر دیا۔ احمد ندیم قاسمی صاحب سے ان

کا تعلق ڈیرہ اسماعیل خان میں ہی استوار ہو چکا تھا۔ ہوا یوں کہ مرتضیٰ برلاس ڈیرہ اسماعیل خان میں اسسٹنٹ کمشنر تھے انہوں نے ندیم صاحب کو غلام محمد قاصر کے دو شعر سنائے تو انہوں نے خط لکھ کر ''فنون'' کے لیے غزلیں بھجوانے کو کہا۔ یہیں سے 1970ء میں ''فنون'' کے لکھاریوں کی فہرست میں غلام محمد قاصر کا نام درج ہو چکا تھا۔ جب 1974-1973ء میں لاہور ملازمت کی صورت بنی تو وہ لاہور کے شاعروں، ادیبوں کے لیے کوئی غیر معروف نام نہیں تھے۔

1975ء میں بطور لیکچرار ان کی پہلی تعیناتی مردان میں ہوئی۔ مردان کے قیام کے دوران میں ہی ان کا پہلا مجموعہ کلام ''تسلسل'' کے نام سے 1977ء میں فنون کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اس کا دیباچہ احمد ندیم قاسمی کا تحریر کردہ تھا۔ انہوں نے لکھا:

''قاصر اگرچہ غزل کی سی قدیم صنف میں اظہار کرتا ہے مگر اس کے موضوعات، بات کہنے کے انداز بیسویں صدی کو اپنے جلو میں لے کر چلنے کے تیور، تشکیک و تذبذب میں معلق عصر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یقین و اعتماد کے ساتھ نغمہ گری، اپنی علاقائی اور پھر وطنی خصوصیات کو پورے کرۂ عرض سے مربوط کر دینے کے حوصلے یہ سب قاصر کی منفرد پہچانیں ہیں اور ان پر مستزاد اس کے لہجے کا کھرا پن ہے جو شاعر کے ڈیرہ اسماعیل خان سے لاہور اور پھر مردان منتقل ہونے کے بعد بھی نہیں بدلا۔ یہ لہجہ جس میں صرف سچ بولا جا سکتا ہے اور شاعری میں سچ بولنے کا فن کبھی کو نہیں آتا''

مردان کے بعد ان کی تعیناتی پشاور ہو گئی۔ سپر ئیر سائنس کالج پشاور، گورنمنٹ کالج درہ آدم خیل، گورنمنٹ کالج پشاور، گورنمنٹ کالج طورو اور گورنمنٹ کالج بہی میں وہ خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پی ٹی وی سنٹر پشاور اور ریڈیو پاکستان پشاور کے لیے بطور ڈرامہ نگار، نغمہ نگار اور ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور کے ساتھ بطور مرتب نصاب بھی منسلک رہے۔

''تسلسل'' کے بعد ان کا دوسرا مجموعہ کلام ''آٹھواں آسماں بھی نیلا'' ہے 1988ء اور تیسرا مجموعہ کلام ''دریائے گماں'' 1997ء میں شائع ہوا۔ 1979ء میں معروف شاعر اور سی ایس پی افسر سعید احمد اختر کی بیٹی سلمٰی سے ان کی شادی ہوئی۔ عماد قاصر، عدنان قاصر اور نیلم ان کے بچوں کے اسماء ہیں۔ ان کے بچوں نے 2009 میں ان کے تمام کلام کو ''اک شعر ابھی تک رہتا ہے'' کے نام سے اکٹھا چھپوایا۔

20 فروری 1999ء ان کی تاریخ وفات ہے۔ وہ جگر کے عارضے میں مبتلا رہے۔ بیماری کا علم اس وقت ہوا جب مرض آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔

ان کی وفات کے بعد 2006ء میں انہیں صدارتی تمغۂ حسنِ کارکردگی سے نوازا گیا جو ان کی بیوہ نے وصول کیا۔ اس کے علاوہ پی ٹی وی کے بہترین نغمہ نگار اور ڈرامہ نگار کے اعزازات بھی انہیں ملے۔

غلام محمد قاصر کا نام ستر کی دہائی کے اہم غزل گو شعراء میں آتا ہے۔ ان کے فن کا اعتراف کرنے والوں میں بڑے نقادوں میں سے لے کر عام قارئین تک بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''تسلسل'' کے فلیپ پر لکھا تھا:

''غلام محمد قاصر جانا پہچانا شاعر ہے۔ یہ بھی ستم ظریفی سے کم نہیں کہ شاعر جو شاعری میں کسی طرح قاصر نہیں تخلص میں قاصر ہے''

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ایک موقع پر کہا:

''غلام محمد قاصر کے کلام میں خیال کی ایک سطح نہیں، نہ ہی تجربات کی ناگوار یکسانیت ہے۔ اس کے ہاں اچھی زندگی کی تمنائیں تو ہیں لیکن اس کے گرد وپیش کی جو فضا ہے اس سے وہ مطمئن نظر نہیں آتے یہی المیہ دراصل قاصر کی شاعری کا کلیدی موضوع ہے''

ڈاکٹر یحییٰ امجد نے لکھا:

''غلام محمد قاصر کا دل قدیم اور دماغ جدید ہے وہ حیات وکائنات کے مسائل سے اپنی شاعری کا خمیر اٹھاتا ہے۔''

غلام محمد قاصر کی شاعری کو سراہنے والوں میں صرف نقاد اور قارئین نہیں، ان کے عہد کے وہ بڑے شعرا بھی شامل ہیں جن کا نام ادب میں مستند حیثیت کا حامل گردانا جاچکا ہے۔ مثلاً احمد فراز، ظفر اقبال، امجد اسلام امجد۔

احمد فراز:

''غلام محمد قاصر عہد موجود کے مستند آہنگ اور معتبر آواز تھے۔ جدید کلاسیکل شاعری کو غلام محمد قاصر کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا''

ظفر اقبال:

''تسلسل'' کے مطالعے سے ایسے لگتا ہے کہ غلام محمد قاصر کی غزل وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں میری غزل ختم ہوتی ہے!''

امجد اسلام امجد:

''غلام محمد قاصر کی غزل میں جو سوچ ہے، جو مضامین میں بے ساختگی ہے، زبان پر جو کمانڈ ہے وہ واقعی انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے''

قاصر کا شعری سفر ادبی مراکز سے دور ایک ایسے خطے سے آغاز ہوتا ہے جہاں اردو لکھنے پڑھنے والوں کا حلقہ تو کم تھا ہی بولنے والوں کی تعداد بھی محدود تھی۔ ایک خالص دیہات کی فضا جہاں مادری زبان سرائیکی ہے وہاں ایک نوجوان اردو میں شعر کہنا شروع کرتا ہے، ان کے ہم جماعت دوست غلام اکبر کا بیان ہے کہ ہم ساتویں میں تھے جب انہوں نے اپنے لیے قاصر تخلص پسند کیا اور میرے لیے مفلس''، میں نے پوچھا مفلس کیوں ۔۔۔ جواب دیا تم شکل سے ہی مفلس لگتے ہو''

غلام محمد قاصر طویل قامت کھجوروں کی طرح تھے لیکن سائے میں برگد کی مثال ۔۔۔۔۔ خود تو فطری مجبوری کے زیر اثر شعر و ادب کی طرف آئے لیکن دوستوں کا ایک وسیع حلقہ ان کی وجہ سے لکھنے لکھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

میرے والد الطاف صفدر کے علاوہ نصیر سرمد، تسلیم فیروز، طالب حسین اشرف سے لے کر مجھ تک اور میرے دوستوں خورشید ربانی، طاہر شیرازی تک

ان کا فیض واثر پہنچا۔ لاہور، پشاور اور دیگر شہروں کے شعرا و ادبا اس کے علاوہ ہیں۔

محترم ڈاکٹر انعام الحق جاوید، ایم ڈی نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شعراء کے انتخاب کلام کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ نہایت مستحسن ہے۔ ظاہر ہے اس مصروف دور میں عام قارئین کے پاس اتنا وقت نہیں کہ کسی شاعر کا مجموعی مطالعہ کر سکیں لہٰذا انہیں کسی ایک شاعر کے اس کلام کا ذائقہ بہم پہنچانے کے لیے جس کی بنیاد پر اس کی اہمیت وشناخت ہے، سعی قابل قدر ہے۔

غلام محمد قاصر کے جو اشعار عوام وخواص میں مقبول ہیں اسی طرح کے مزید اشعار جو میرے مطالعہ میں آئے اس انتخاب میں شامل کیے گئے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا دیگر کلام معیار کے لحاظ سے کسی طور پر کم اہم ہے ہر گز نہیں۔ بلکہ بعض ایسے اشعار بھی ہیں جن کے بارے میں صوفی تبسم نے کہا تھا:

> ''ان کے شعر پڑھ کر ایک ہاتھ سے سر کو کھجانا اور دوسرے ہاتھ سے قلب کو سنبھالنا پڑتا ہے۔ قاصر کا اسلوب بیان میر کی سادہ بیانی، غالب کی تخیل آفرینی اور اقبال کی وسیع النظری کے افق سے سرشار ہو کر ابھرتا دکھائی دیتا ہے''

میں نے کوشش کی ہے کہ سر کو کھجانے والے کم اور قلب کو سنبھالنے والے اشعار زیادہ پیش کروں۔

ان کے کلیات میں ملی نغمے، گیت، قطعات تاریخ وفات، منظوم خط تک

شامل ہیں، لیکن انتخاب میں ان کی گنجائش نہیں نکلتی ۔۔۔۔۔۔نعت، سلام اور نظموں میں سے بھی کم تخلیقات انتخاب میں آئیں کہ ان کا اصل میدان غزل ہے۔

غلام محمد قاصر کی شخصیت اور فن کا مرکزی نقطہ محبت ہے۔ وہ انسانیت اور فطرت سے پیار کرنے والے آدمی اور شاعر تھے۔ نہایت مشکل حالات میں بھی کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ مجھے انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں مثبت سوچ رکھنے والا ایک ایسا انسان پایا جو کبھی کسی کا برا نہیں سوچتا تھا۔ ان کی شخصیت کا عکس ان کے اشعار میں بھی ہے، لہٰذا ان کا یہ شعر ان کے نظریۂ حیات اور نظریۂ فن کی پوری طرح ترجمانی کر رہا ہے۔

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

ان کے تینوں مجموعہ ہائے کلام میں پائی جانے والی شاعری مختلف علاقوں اور زبانوں کے حامل افراد کے درمیان زندگی گزارتے ہوئے تخلیق ہوئی۔

ڈیرہ اسماعیل خان، لاہور، مردان، پشاور کے جغرافیائی فاصلے اپنی جگہ سوچ و فکر کے زاویے بھی الگ الگ ہیں لیکن چونکہ ''محبت'' ہر انسان کی ضرورت اور ہر معاشرے کا حصہ ہوتی ہے اس لیے انہیں نہ زندگی گزارتے ہوئے کہیں مشکل پیش آئی اور نہ شعر کہتے ہوئے۔ پہلا شعر جوان کا تعارف بنا:

تم یونہی ناراض ہوئے ہو ورنہ میخانے کا پتا
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

سے لے کر پچھلے صفحے پر درج پشاور میں اُن کے آخری ایام کا کہا ہوا شعر اس مدار کا پتہ دیتے ہیں جس میں ان کی زندگی اور خیال کی توسنِ چلی۔ اسلوب میں تازگی اور روانی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی تاہم پس منظر میں بنیادی مسئلہ وہی محبت ہے جو تیس سال پہلے اور تیس سال بعد کے کہے ہوئے شعر میں مشترک ہے۔

محبت کی یہ سوغات محبت کرنے والے دلوں کی نذر ہے جو آج بھی شعر، رنگ، سُر جیسے محبت پرور ذرائع اظہار کو بے وقعت نہیں سمجھتے اور ان کے فروغ میں مقدور بھر کوشش کو مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہیں۔

شعر ایک مشغلہ تھا قاصر کا
اب یہی مقصدِ حیات بنا

شہاب صفدر

منتخب کلام

غلام محمد قاصر

عقیدتیں

حمد، نعت، سلام

حمد

آزمائش میں کوئی تجھ کو صدا دیتا ہے
اور تُو آگ کو گلزار بنا دیتا ہے

دے کے اک عکسِ نظر آنکھ کے آئینے کو
کتنے نادیدہ جہانوں کا پتا دیتا ہے

ظرفِ سائل کو بناتا ہے عطا کا معیار
کہیں صرصر تو کہیں موجِ صبا دیتا ہے

25

تو ہی ہر لہر کو دیتا ہے ڈبونے کا شعور
تو ہی کشتی کو کنارے پہ لگا دیتا ہے

یوں تو نفرت کے سمندر ہیں دلوں میں حائل
ہاں ترا نام کناروں کو ملا دیتا ہے

حمد کا پھول سرِ شاخِ یقیں دیکھ کے دل
وہم کے سارے پرندوں کو اڑا دیتا ہے

نعت

جہاں پیوندِ ظلمت بن گئے روزن مکانوں کے
وہیں کھولے گئے سارے دریچے آسمانوں کے

اِک اندھی رات تھی جو ریت پر لہریں بناتی تھی
اور اُن میں جذب ہو جاتے تھے نغمے ساربانوں کے

سرائے دہر میں مہمان تھے صدیوں کے سناٹے
تمھارا نام لے کر کارواں اترے اذانوں میں

تمہاری رہ گزر میں کوئی جتنی دور جاتا ہے
اُسی نسبت سے دل پر بھید کھلتے ہیں جہانوں کے

مخالف سمت جائیں تو سفینے ٹوٹ جاتے ہیں
مدینے کی طرف رُخ پھر رہے ہیں بادبانوں کے

کتابِ زندگی رکھتے ہیں تابِ زندگی کم ہے
نئے کردار ہیں ہم لوگ اگلی داستانوں کے

نعت

دن کو دن رات کو جو رات نہیں لکھ سکتا
ایسا فنکار کبھی نعت نہیں لکھ سکتا

عرش سے دل پہ اترتے ہیں مدینے کے خیال
اور میں اپنے خیالات نہیں لکھ سکتا
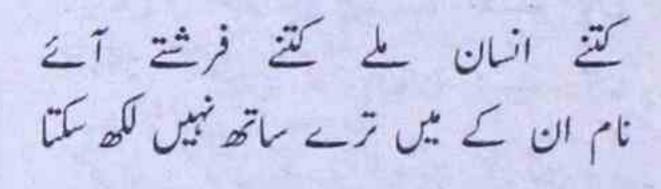
کتنے انسان ملے کتنے فرشتے آئے
نام ان کے میں ترے ساتھ نہیں لکھ سکتا

وادیٔ جاں میں ہیں روشن تری چاہت کے حروف
اتنے روشن کہ مرا ہاتھ نہیں لکھ سکتا

جس کے دل پر بھی در آیا ترے کردار کا عکس
شکر لکھتا ہے شکایات نہیں لکھ سکتا

نعت

فضا میں چادرِ تطہیر تان دیتے ہیں
تری گلی میں ستارے اذان دیتے ہیں

دیارِ درد میں جینے کا حوصلہ نہ رہے
تو انؐ کے خواب دلوں کو امان دیتے ہیں

جہاں کی دھند میں طیبہ کے جگمگاتے خیال
بھٹکتی کشتیوں کو بادبان دیتے ہیں

پھر ان کے گھر میں فرشتے اترنے لگتے ہیں
وہ شہرِ علم جسے بھی مکان دیتے ہیں

سخی مدینے میں ایسے بھی ہیں کہ خانہ بدوش
زمین مانگیں تو وہ آسمان دیتے ہیں

خیالِ حُسن سے نکلیں طیورِ حُسنِ خیال
انھیں وہ سدرہ نشیں جب اڑان دیتے ہیں

قسم ہے زلفوں کی جن پر کہ آیتیں اتریں
ہم ان کی شان میں سچا بیان دیتے ہیں

○

جب اندھیروں کے بیاباں میں بھٹکتا تھا خیال
چاندنی بن کے اتر آئی تھی سیرت انؐ کی

نیند سے پہلے یہ کہتی ہیں سوالی آنکھیں
کاش اک خواب میں ہو جائے زیارت انؐ کی

○

چہرے سے جھانکتا ہے کئی آیتوں کا عکس
زلفوں میں ہیں گواہیاں شانِ نزول کی

نعت

دل کا اک زخم بھی کیا رنگ دکھاتا ہے مجھے
پھول دیکھوں تو مدینہ نظر آتا ہے مجھے

ذرہ ذرہ جہاں خوابوں میں گرفتار ملے
اُس شبستاں میں ترا نام جگاتا ہے مجھے

تیرے کردار کے رستے پہ رواں ہے سورج
روشنی چاند میں بھر بھر کے پلاتا ہے مجھے

ایسی چاہت کا کوئی نام نہیں ہو سکتا
ایک جذبہ ہے کہ مجھ سے لیے جاتا ہے مجھے

نعت

سورج سے بات کی کہ ستاروں سے بات کی
ماہِ عرب نے درد کے ماروں سے بات کی

صدیوں سے صحن صحن کی خوشبو اداس تھی
آخر مرے نبیؐ نے بہاروں سے بات کی

31

ہم لوگ چپ رہے کہ ادب کا مقام تھا
اک درد تھا کہ جس نے اشاروں سے بات کی

ان کے بغیر مل نہ سکا نسخۂ شفا
بیمارِ آرزو نے ہزاروں سے بات کی
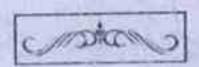
سلام

جو پیاس وسعت میں بے کراں ہے سلام اس پر
فرات جس کی طرف رواں ہے سلام اس پر

سبھی کنارے اسی کی جانب کریں اشارے
جو کشتیِ حق کا بادباں ہے سلام اس پر

جو پھول تیغِ اصول سے ہر خزاں کو کاٹیں
وہ ایسے پھولوں کا پاسباں ہے سلام اس پر

مِری زمینوں کو اب نہیں خوفِ بے ردائی
جو ان زمینوں کا آسماں ہے سلام اس پر

ہر اِک غلامی ہے آدمیت کی ناتمامی
جو حریت کا مزاج داں ہے سلام اس پر

حیات بن کر فنا کے تیروں میں ضوفشاں ہے
جو سب ضمیروں میں ضوفشاں ہے سلام اس پر

کبھی چراغِ حرم کبھی صبح کا ستارہ
وہ رات میں دن کا ترجماں ہے سلام اس پر

میں جلتے جسموں، نئے طلسموں میں گھر چکا ہوں
وہ ابرِ رحمت ہے، سائباں ہے سلام اس پر

شفق میں جھلکے کہ گردنِ اہل حق سے چھلکے
لہو تمہارا جہاں جہاں ہے سلام اس پر

○

کچھ ایسی بات محرم کا چاند کہتا ہے
کہ سال بھر مرا دل کربلا میں رہتا ہے

چلیں نشیب کو دریا مگر تمہارے لیے
فراتِ اشک بلندی کی سمت بہتا ہے

اک استعارۂ ہجرت ہے روشنی کی طرف
جہاں کہیں بھی پرندہ سفر میں رہتا ہے

کہ داستانِ عروج و زوال ملت میں
وہی سچ ہے جو حسینؑ کہتا ہے

○
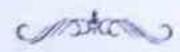
وفا کا مکمل جہاں اور وہ
بس اک مختصر کارواں اور وہ

اُدھر شام سے شب کی سرگوشیاں
اِدھر اک سحر کی اذاں اور وہ

رہا درمیاں ایک دریائے صبر
کناروں پہ آبِ رواں اور وہ

سحر تک شریک تلاوت رہے
ستاروں بھرا آسماں اور وہ

ضمیرِ زمانہ میں محفوظ ہیں
لہو ، جلتے خیمے ، سناں اور وہ

نہیں سے نہیں تک ہر اک موڑ پر
سلامت رہے اس کی ہاں اور وہ

○

ایک چہرے پہ گزشتہ بھی ہے آئندہ بھی
آئینے دیکھ رہے ہیں تجھے حیرانی سے

تُو ہی تاریخ کے اس موڑ پہ یاد آتا ہے
شہر مل جاتے ہیں جب دشت کی ویرانی سے

○

میں کربلا میں ہوں مولا رہِ حسینؓ دِکھا!
کہ اس دیار سے رستے بہت نکلتے ہیں

○

جس کے گردابوں میں اکثر ڈوب جاتے ہیں ضمیر
دل ہے اس دریا کی کشتی اور کنارہ کربلا

○

سبزہ زاروں، پانیوں، سایوں سے سرمایوں سے دور
کربلا کا راستہ ہے کربلا تا کربلا

○

زندگی کے خط کو تُو نے دائرے کی شکل دی
ابتداء کی ابتداء ہے انتہا کی انتہا

○

نہ وسوسے نہ اندھیرے رگوں میں پلتے ہیں
کہ میرے دل میں بہتر چراغ جلتے ہیں

علی اصغرؑ

کربلا میں اے علی اصغرؑ ترا اعلانِ جنگ
حشر تک لیتا رہے گا ظلم سے تاوانِ جنگ

ریت جلتی ریت پر تھا تیرا خیمہ بے فرات
خشک ہونٹوں سے تجھے لکھنا پڑا فرمانِ جنگ

مسکراہٹ تیغ تیری بے زبانی تیری ڈھال
چھے مہینے کا مجاہد مختصر سامانِ جنگ

تیر کھایا خوں بہایا مسکرایا جان دی
باپ کے دو ہاتھ بس تیرے لیے میدانِ جنگ

تو کہ پہلے وار ہی میں سرخ رو پایا گیا
رو سیاہوں کے دلوں میں رہ گئے ارمانِ جنگ

شرمسار اپنے ہی معیارِ عداوت سے خزاں
پھول کی اک پنکھڑی کو جان کر عنوانِ جنگ

تضاد

یزید نقشۂ جور و جفا بناتا ہے
حسینؓ اس میں خطِ کربلا بناتا ہے

یزید موسمِ عصیاں کا لاعلاج مرض
حسینؓ خاک سے خاکِ شفا بناتا ہے

یزید کاخِ کثافت کی ڈولتی بنیاد
حسینؓ حسن کی حیرت سرا بناتا ہے

یزید تیز ہواؤں سے جوڑ توڑ میں گم
حسینؓ سر پر بہن کے رِدا بناتا ہے

یزید لکھتا ہے تاریکیوں کو خط دن بھر
حسینؓ شام سے پہلے دیا بناتا ہے

یزید آج بھی بنتے ہیں لوگ کوشش سے
حسینؓ خود نہیں بنتا خدا بناتا ہے

نظمیں
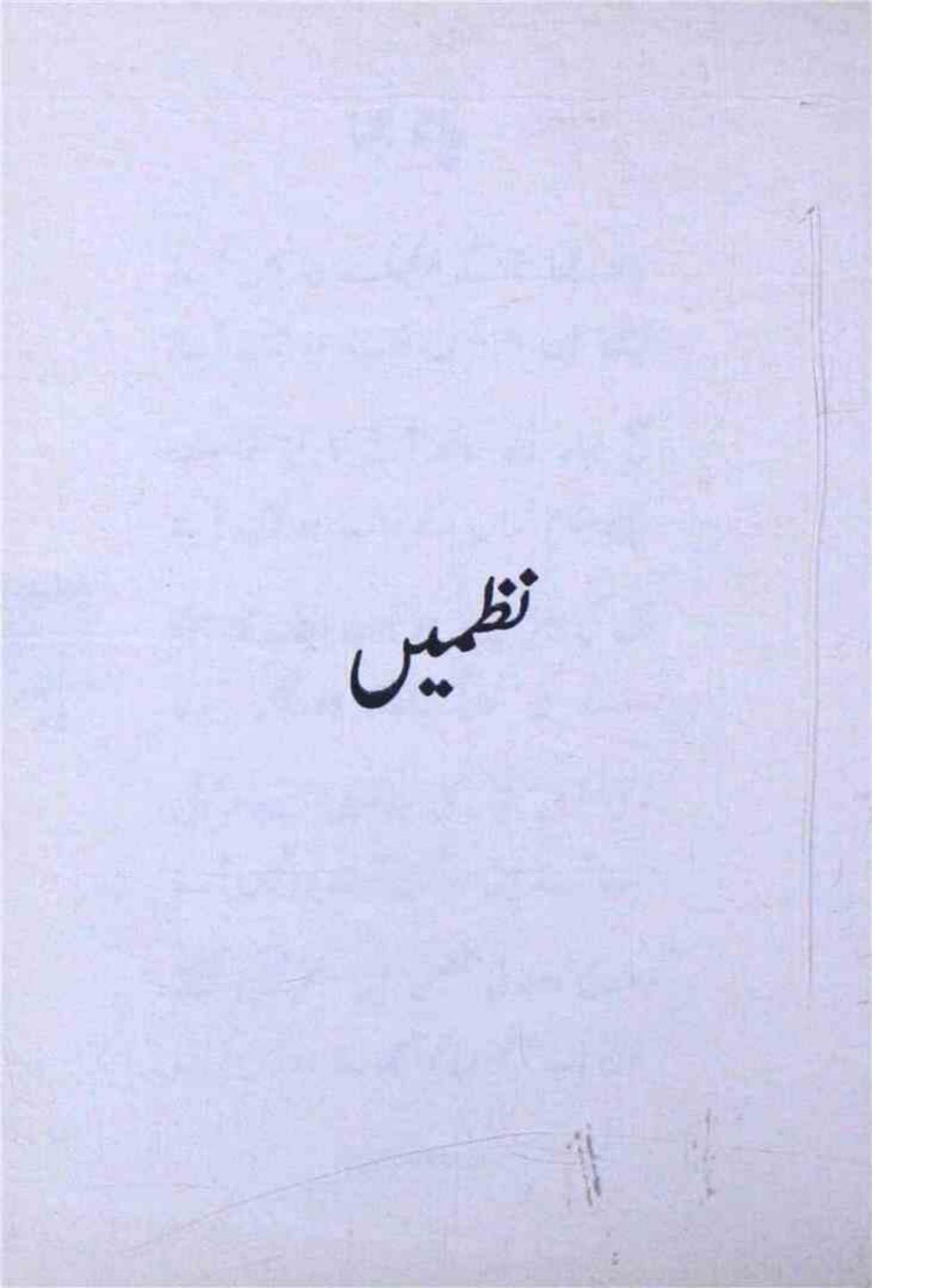
چاند بجھا

چاند بجھا تارے مرجھائے وہ نہیں آئے
بیٹھے ہیں ہم آس لگائے وہ نہیں آئے

صبحِ بہار کے ساتھ آنے کا کیا تھا وعدہ
پھیلے شامِ خزاں کے سائے وہ نہیں آئے

دل کی دھڑکن پر ہو جب دستک کا دھوکا
سناٹے کی گونج بتائے وہ نہیں آئے

ٹوٹتی آس کی رکتی سانسوں سے سرگوشی
سب آئے ہیں وہ نہیں آئے وہ نہیں آئے

دھندلی دھندلی شکلیں ہیں منظر نہیں کھلتے
کون اب آنکھوں کو سمجھائے وہ نہیں آئے

نہ جاتے تم

اور ان آنکھوں میں اب نیلے سمندر رقص کرتے ہیں
اداسی کے پرندے دل کے ساحل پر اترتے ہیں

سکوں ناآشنا ہو درد سے دامن چھڑا کر بھی
سنا ہے خوش نہیں ہو تم نئے لوگوں میں جا کر بھی

مرے آنسو ہی پڑھ لیتے، تمہیں جس روز جانا تھا
تمہارے سامنے لیکن زمانہ ہی زمانہ تھا

نہ جاتے تم تو ہم اک دوسرے میں ایسے گم ہوتے
تمہاری آنکھوں میں خوشیاں مری آنکھوں میں تم ہوتے
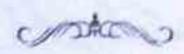
جو ہواؤں میں

جو ہواؤں میں ترے نام کو قندیل کرے
روشنی اس کے لیے راستہ تبدیل کرے

نامکمل نظر آتی ہے دھنک ہو کہ حیات
تیرا کردار ہر اِک رنگ کی تکمیل کرے

تیری سیرت کو ترے عہد کو سمجھا ہی نہیں
جو کسی دور کے انسان کی تذلیل کرے

غزلیں

○
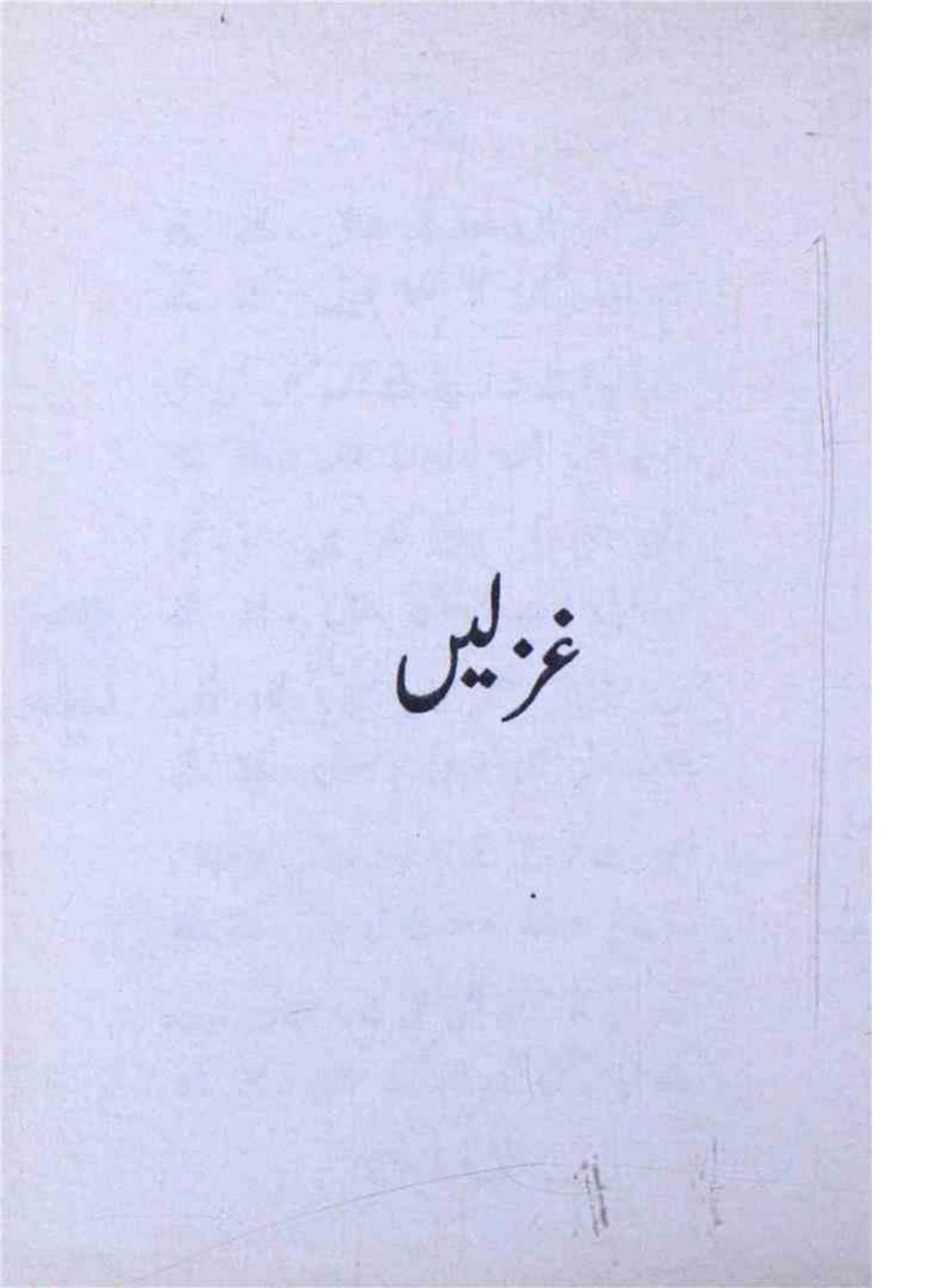
نظر نظر میں ادائے جمال رکھتے تھے
ہم ایک شخص کا کتنا خیال رکھتے تھے

جبیں پہ آنے نہ دیتے تھے اک شکن بھی کبھی
اگرچہ دل میں ہزاروں ملال رکھتے تھے

خوشی اسی کی ہمیشہ نظر میں رہتی تھی
اور اپنی قوتِ غم بھی بحال رکھتے تھے

بس اشتیاقِ تکلم میں بارہا ہم لوگ
جواب دل میں زباں پر سوال رکھتے تھے

اُسی سے کرتے تھے ہم روز و شب کا اندازہ
زمیں پہ رہ کے وہ سورج کی چال رکھتے تھے

کچھ ان کا حسن بھی تھا ماورا مثالوں سے
کچھ اپنا عشق بھی ہم بے مثال رکھتے تھے

○

مایوسیوں کو شکر کے سانچے میں ڈھال کر
اے شوقِ نامراد! خدا سے سوال کر

وہ گوہر آج بحر کی تہ میں اتر گیا
لائی تھیں جس کو سطح پہ موجیں اچھال کر

تجھ سے مٹیں نہ مشرق و مغرب کی دوریاں
اے مہر! اب طوافِ جنوب و شمال کر

پندار کو شکست کا احساس کھا گیا
زندہ کہاں رہا ہوں میں ہتھیار ڈال کر

ہر آدمی پہ سائے کا ہونے لگا گماں
یارب مری نگاہ کی قوت بحال کر

قاصر نے رخ پہ جمنے نہ دی منزلوں کی گرد
آنکھوں سے کوئے یار کی راہیں نکال کر

○

سوئے ہوئے جذبوں کو جگانا ہی نہیں تھا
اے دل! وہ محبت کا زمانہ ہی نہیں تھا

مہکے تھے چراغ اور دہک اٹھی تھیں کلیاں
گو سب کو خبر تھی اسے آنا ہی نہیں تھا

دیوار پہ وعدوں کی امربیل چڑھا دی
رخصت کے لیے اور بہانہ ہی نہیں تھا

اڑتی ہوئی چنگاریاں سونے نہیں دیتیں
روٹھے ہوئے اس خط کو جلانا ہی نہیں تھا

نیندیں بھی نظر بند ہیں تعبیر بھی قیدی
زنداں میں کوئی خواب سنانا ہی نہیں تھا

پانی تو ہے کم ، نقلِ مکانی ہے زیادہ
یہ شہر سرابوں میں بسانا ہی نہیں تھا

○

وہ بے دلی میں کبھی ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں
تو، ہم بھی سیرِ سماوات چھوڑ دیتے ہیں

جب اُن کے گِرد کہانی طواف کرنے لگے
تو درمیاں سے کوئی بات چھوڑ دیتے ہیں

دُعا کریں گے مگر اس مقام سے آگے
تمام لفظ جہاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں

دیئے ہوں اتنے کہ خوابوں کو راستہ نہ ملے
تو شہر اپنی روایات چھوڑ دیتے ہیں

ہر ایک شاخ پہ جب سانپ کا گماں گزرے
فقیر کشف و کرامات چھوڑ دیتے ہیں

جمال اپنے نظاروں میں کھو گیا اے دل!
سو اس کی میز پہ سوغات چھوڑ دیتے ہیں

○

کتاب آرزو کے گمشدہ کچھ باب رکھے ہیں
ترے تکیے کے نیچے بھی ہمارے خواب رکھے ہیں

مکاں تو سطحِ دریا پر بنائے ہیں حبابوں نے
اثاثے گھر کے لیکن سب نے زیرِ آب رکھے ہیں

یہ کنکر ان سے پہلے ہاتھ پر لہریں بنا لے گا
ہماری راہ میں چاہت نے جو تالاب رکھے ہیں

کناروں پر پہنچ کر تیرنے لگتی ہیں تصویریں
سمندر میں سفینے تو پسِ گرداب رکھے ہیں

ہمارے گھر کی بنیادوں کے پتھر کیا ہوئے آخر
کہیں طوفان کے ٹکڑے کہیں سیلاب رکھے ہیں

ترے آنے سے پہلے جن کو مرجھانے کی جلدی تھی
وہی پتے ہوائے ہجر نے شاداب رکھے ہیں

○

سب رنگ ناتمام ہوں ہلکا لباس ہو
شفاف پانیوں پہ کنول کا لباس ہو

اشکوں سے بُن کے مرثیہ پہنا دیا گیا
اب زندگی کے تن پہ غزل کا لباس ہو

ہر ایک آدمی کو ملے خلعتِ بشر
ہر ایک جھونپڑی پہ محل کا لباس ہو

سن لے جو آنے والے زمانے کی آہٹیں
کیسے کہے کہ آج بھی کل کا لباس ہو

یا رب! کسی صدی کے افق پر ٹھہر نہ جائے
اِک ایسی صبح جس کا دھندلکا لباس ہو

اُجلا رہے گا صرف محبت کے جسم پر
صدیوں کا پیرہن ہو کہ پل کا لباس ہو

○

دل دکھانے پہ بھی تیار نہیں ہے کوئی
تم چلے آؤ تو دیوار نہیں ہے کوئی

دُور تک ریت کے ذروں کی ندی بہتی ہے
اور پھر دشت کے اُس پار نہیں ہے کوئی

بے نیازانہ مسیحا کی سواری گزری
جیسے اس شہر میں بیمار نہیں ہے کوئی

اس نے اک ایسی کہانی میں مجھے کاسٹ کیا
جس میں میرے لیے کردار نہیں ہے کوئی

ہم خیالوں میں تو وہ اپنے اجالوں میں مگن
بزمِ بے کار میں بے کار نہیں ہے کوئی

پھر بھی سب جمع ہوئے تیری اداؤں کے خلاف
ان میں گو میرا طرف دار نہیں ہے کوئی

O

بس ایک یہ منظر تہِ افلاک نہ بدلے
اے شہر وفا! رنگ تری خاک نہ بدلے

ہر آنکھ اسے پیرہنِ سبز میں دیکھے
اے کاش وہ تا دیر یہ پوشاک نہ بدلے

اس عہد نے پتھر کی لکیریں بھی بدل دیں
اس پر بھی مرے صاحب ادراک نہ بدلے

56

پانی بھی نیا رنگِ روانی بھی نیا ہے
اب ڈوب ہی جائیں گے جو تیراک نہ بدلے

سو پشت سے افلاس کا رُخ میری طرف ہے
اس آگ نے اب تک خس و خاشاک نہ بدلے

نازل ہوئے سو بار تمناؤں کے موسم
اور آب و ہوائے دلِ صد چاک نہ بدلے

○

سرِ شاخ جو نہ چٹکے وہ گلاب دیکھتا ہوں
مرے سچ کو سچ نہ جانو کہ میں خواب دیکھتا ہوں

وہ ابھی ابھی یہاں تھا میں ہواؤں پر رواں تھا
مگر اب تمام منظر تہِ آب دیکھتا ہوں

ترے حُسن میں ہیں شامل مری خود فریبیاں بھی
ترا عہد ڈھل رہا ہے مَیں شباب دیکھتا ہوں

شب وصل کا ستارہ تری آہٹوں سے چمکے
جو نصاب میں نہیں ہے وہی باب دیکھتا ہوں

تری آس ہے کہ تو ہے وہی پیاس روبرو ہے
میں گھرا ہوں پانیوں میں کہ سراب دیکھتا ہوں

ہوا دل کا شہر سونا کہ غزل خفا ہے مجھ سے
نہ لُبھائے کوئی چہرہ نہ کتاب دیکھتا ہوں

○

صحرائے تمنا میں یقیں اور گماں اور
قدموں کے نشاں اور ہیں سجدوں کے نشاں اور

ہم اس پہ بناتے رہے اک نام کی لہریں
اوروں کے لیے لکھتی رہی ریگِ رواں اور

ویسے تو ہر اک شخص کا ہے اپنا ہی جادو
ان جاگتی آنکھوں نے جگائے ہیں جہاں اور

58

ہم کب سے لیے پھرتے ہیں اک شہر کا نقشہ
اور حسرتِ تعمیر بناتی ہے مکاں اور

رازوں کا یہ جنگل تو کسی پر نہیں کھلتا
پیڑوں کی زباں اور پرندوں کی زباں اور

سُلگے ہوئے ہر سال کی کچھ آخری شامیں
جب آگ جلاتی ہیں تو اُٹھتا ہے دھواں اور

○

پناہ مانگ کے بوسیدہ کاغذات سے وہ
ہوا میں آگ جلاتا ہے احتیاط سے وہ

چمن میں پھیلتی جاتی ہیں زرد تحریریں
اس آرزو میں کہ رکھ دے کتاب، ہاتھ سے وہ

ہر ایک راہ پہ انگلی پکڑ کے چلتا رہا
بچھڑ گیا ہے مگر پھر بھی اپنی ذات سے وہ

خفا تھے بحر سے کچھ ڈوبتے سفینے مگر
ہوا ہے خشک، جزیروں کی واردات سے وہ

زباں کی زد میں رہے ذائقہ جدائی کا
اسی لیے ہے گریزاں مذاکرات سے وہ

○

کشتی بھی نہیں بدلی دریا بھی نہیں بدلا
اور ڈوبنے والوں کا جذبہ بھی نہیں بدلا

تصویر نہیں بدلی ، شیشہ بھی نہیں بدلا
نظریں بھی سلامت ہیں چہرہ بھی نہیں بدلا

ہے شوقِ سفر ایسا اک عمر سے یاروں نے
منزل بھی نہیں پائی رستہ بھی نہیں بدلا

بیکار گیا بن میں سونا مرا صدیوں کا
اس شہر میں تو اب تک سکہ بھی نہیں بدلا
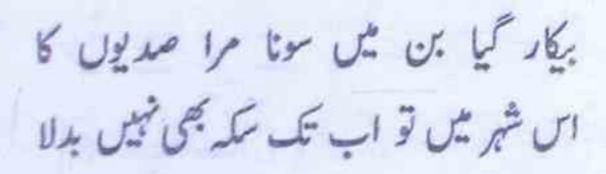
بے سمت ہواؤں نے ہر لہر سے سازش کی
خوابوں کے جزیرے کا نقشہ بھی نہیں بدلا

○

پہلے اک شخص میری ذات بنا
اور پھر پوری کائنات بنا

حُسن نے خود کہا مصور سے
پاؤں پر میرے کوئی ہاتھ بنا

پیاس کی سلطنت نہیں مٹتی
لاکھ دجلے بنا فرات بنا

غم کا سورج وہ دے گیا تجھ کو
چاہے اب دن بنا کہ رات بنا

شعر اک مشغلہ تھا قاصر کا
اب یہی مقصدِ حیات بنا

○

ایسے اسیر ہو گئے لوگ طلسمِ ذات میں
اب تو وہ اپنا نام بھی گننے لگے صفات میں

شہر کا کوئی رابطہ ، دہر کا کوئی ضابطہ
کاش نہ دخل دے سکے دل کے معاملات میں

چہرہ شناس بھی ہے وہ اور اُداس بھی ہے وہ
چاند اُلجھ کے رہ گیا حسنِ جمالیات میں

ذہن میں نور ہو گیا آنکھ میں اشک ہو گیا
آج خیالِ یار بھی قید ہے ذات پات میں

بت شکنی سے کیا ملا خود وہ بتوں سے جا ملا
کہتے ہیں آج غزنوی بیٹھا ہے سومنات میں

○

چراغ جلتے ہوئے سائے رُخ بدلتے ہوئے
کبھی تو دیکھ تمناؤں کو مچلتے ہوئے

اٹھائے پھرتے ہیں شیرینیوں کا رختِ سفر
لبوں کے قافلے بوسوں کے ساتھ چلتے ہوئے

خیال بزم میں پہنچا تھا گنگناتا ہوا
نگاہ چہرے سے لوٹی ہے ہاتھ ملتے ہوئے

گل ایک خار سے الجھا تھا اور اس کے بعد
صبا نے دیکھا اسے باغ سے نکلتے ہوئے

یہ زلزلوں کی زمیں، بارشوں کا موسم ہے
مکان گرتے ہوئے آدمی پھسلتے ہوئے

○

وہ دل جس کا مقدر تھا سرِ طورِ طلب جلنا
قیامت ہو گیا قاصر اسی کا بے سبب جلنا

فروزاں ہو کے بھی یہ شمعیں اُس محفل میں کب پہنچیں
غنیمت ہے حروفِ مدعا کا زیرِ لب جلنا

سیاست کی اندھیری رات میں ہم لوگ رکھتے ہیں
وہ شمعیں جن کو آتا ہے بعنوانِ ادب جلنا

جو پہنچیں شہر میں اب وہ ہوائیں دیکھ آئی ہیں
چناروں کا بھرے جنگل میں ہو کر منتخب جلنا

گری ہے بے نیازی، کوہِ جاں پر برف کی صورت
بہت مشکل ہے قاصر آتشِ جلوہ کا اب جلنا

○

قحط صدا کے زخم بڑا کام کر گئے
میں چپ تھا اور میرے فسانے بکھر گئے

کھلتے ہیں کشتِ جاں بھی ابھی آہٹوں کے پھول
ہر چند انتظار کے موسم گزر گئے

آزر کا لمس ہے کہ عقیدت کے بال و پر
پتھر رواں دواں ہیں پجاری ٹھہر گئے

بھونچال سے معاہدے آتش سے ساز باز
شاید پہاڑ بھی ابدیت سے ڈر گئے

اک پیش گوئی ہے کہ جہاں ڈوبتے ہیں شہر
خطرے کے اس نشان سے دریا اتر گئے

○

آنسو ہیں ترجمانِ دل
اب تو سمجھ زبانِ دل

مسندِ عدل پر ہے تو
سن تو سہی بیانِ دل

جُھک کے زمینِ حُسن سے
مِلتا ہے آسمانِ دل

ناقۂ آرزو کے ساتھ
چلتا ہے ساربانِ دل

سارے مکیں تھے محوِ خواب
جلتا رہا مکانِ دل

○

ادائے فرض پہ مامور کر گئی وہ نظر
ہمیں تو عشق پہ مجبور کر گئی وہ نظر

کچھ اس خلوص سے اُٹھی پئے جراحتِ جاں
کہ زخم زخم کو ناسور کر گئی وہ نظر

67

ہر ایک پھول ہے شاہد کہ چشمِ نرگس کو
بھری بہار میں بے نور کر گئی وہ نظر
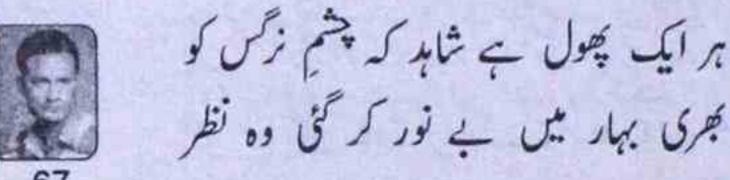
بھٹک رہے ہیں خلاؤں میں اس لیے کہ ہمیں
زمیں سے دُور۔۔۔۔بہت دور کر گئی وہ نظر

ملال یہ ہے کہ جامِ سفال ٹوٹ گیا
سرور یہ ہے کہ مخمور کر گئی وہ نظر

○

دریا ساتھ بہا لایا اِک نام اور اِک تصویر
ڈوبتے شہر سے کیا پایا اِک نام اور اِک تصویر

پیار کی ڈھلتی دھوپ میں جلتی سانسوں کا حاصل
اِک دیوارِ بے سایہ اِک نام اور اِک تصویر

دل تو آج اُڑان سے لَوٹا بھیگی شام کے ساتھ
شہرِ سبا میں چھوڑ آیا اِک نام اور اک تصویر

ناموں اور تصویروں کے بے انت جہانوں میں
اے دل تیرا سرمایہ اک نام اور اک تصویر

سوچوں سے اتریں گے ساتوں رنگ اداسی کے
قاصر آج اٹھا لایا اک نام اور اک تصویر

○

کب تک رہوں اداس مرے چاند اب تو آ
آنکھوں کے آس پاس مرے چاند اب تو آ

اک دید کی امید پہ جیتا ہوا چکور
کرتا ہے التماس مرے چاند اب تو آ

مایوسیوں سے بجھتے چراغوں کے ساتھ ساتھ
لَو دے اُٹھی ہے آس مرے چاند اب تو آ
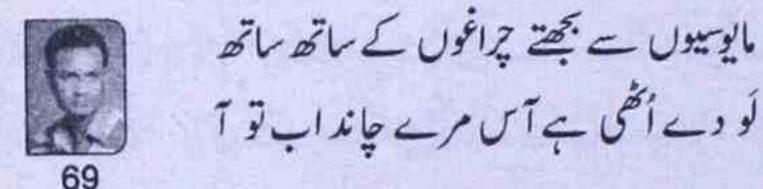
جس دن سے تو چھپا ہے سیہ پوش رات نے
بدلا نہیں لباس مرے چاند اب تو آ

سورج خریدتا تھا اسے اپنے جام سے
بیچی نہ میں نے پیاس مرے چاند اب تو آ

○

گلیوں کی اداسی پوچھتی ہے گھر کا سناٹا کہتا ہے
اس شہر کا ہر رہنے والا کیوں دوسرے شہر میں رہتا ہے

اِک خوابؔ نما بیداری میں جاتے ہوئے اس کو دیکھا تھا
احساس کی لہروں میں اب تک حیرت کا سفینہ بہتا ہے

پھر جسم کے منظر نامے میں سوئے ہوئے رنگ نہ جاگ اٹھیں
اس خوف سے وہ پوشاک نہیں بس خواب بدلتا رہتا ہے

70

چھے دن تو بڑی سچائی سے سانسوں نے پیام رسانی کی
آرام کا دن ہے کس سے کہیں، دل آج جو صدمے سہتا ہے

ہر عہد نے زندہ غزلوں کے کتنے ہی جہاں آباد کیے
پر تجھ کو دیکھ کے سوچتا ہوں اک شعر ابھی تک رہتا ہے

○
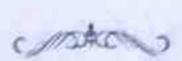
پھر وہی کہنے لگے تُو مرے گھر آیا تھا
چاند ، جن چار گواہوں کو نظر آیا تھا

رنگ پھولوں نے چُنے آپ سے ملتے جلتے
اور بتاتے بھی نہیں کون اِدھر آیا تھا

بوند بھی تشنہ ابابیل پہ نازل نہ ہوئی
ورنہ بادل تو بلندی سے اتر آیا تھا

تونے دیکھا ہی نہیں ورنہ وفا کا مُجرم
اپنی آنکھیں تری دہلیز پہ دھر آیا تھا

بھول بیٹھے ہیں نئے خواب کی سرشاری میں
اس سے پہلے بھی تو اک خواب نظر آیا تھا

○

یہ جہاں نورد کی داستاں یہ فسانہ ڈولتے سائے کا
مرے سربریدہ خیال ہیں کہ دھواں ہے سونی سرائے کا

وہ ہوا کا چپکے سے جھانکنا کسی بھولے بسرے مدار سے
کہیں گھر میں شہر کی ظلمتیں کہیں چھت پہ چاند کرائے کا

گلِ ماہ گھومتے چاک پر کفِ کوزہ گر سے پھسل گئی
کہ بساطِ گردشِ سال و سن یہی فرق اپنے پرائے کا

72

مِرا نطق بھی ہے نگاہ بھی، مری شاعری کا گواہ بھی
ترِی دوستی کے محاذ پر وہ لرزتا عکس کنائے کا

کہ اسی کے نام تک آئے تھے یہ صدا و صدق کے سلسلے
وہی شخص جس نے ترے لیے کیا قتل اپنی ہی رائے کا

○
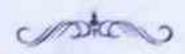
اکیلا دن ہے کوئی اور نہ تنہا رات ہوتی ہے
میں جس پل سے گزرتا ہوں محبت ساتھ ہوتی ہے

تری آواز کو اس شہر کی لہریں ترستی ہیں
غلط نمبر ملاتا ہوں تو پہروں بات ہوتی ہے

سروں پر خوفِ رسوائی کی چادر تان لیتے ہیں
تمہارے واسطے رنگوں کی جب برسات ہوتی ہے

کہیں چڑیاں چہکتی ہیں کہیں کلیاں چٹکتی ہیں
مگر میرے مکاں سے آسماں تک رات ہوتی ہے

کسے آباد سمجھوں، کس کا شہر آشوب لکھوں میں
جہاں شہروں کی یکساں صورتِ حالات ہوتی ہے

○

بارود کے بدلے ہاتھوں میں آجائے کتاب تو اچھا ہو
اے کاش ہماری آنکھوں کا اکیسواں خواب تو اچھا ہو

ہر پتّا ناآسودہ ہے ، ماحولِ چمن آلودہ ہے
رہ جائیں لرزتی شاخوں پر دو چار گلاب تو اچھا ہو

یوں شور کا دریا بپھرا ہے چڑیوں نے چہکنا چھوڑ دیا
خطرے کے نشان سے نیچے اب اُترے سیلاب تو اچھا ہو

ہر سال کی آخری شاموں میں دو چار ورق اڑ جاتے ہیں
اب اور نہ بکھرے، رشتوں کی بوسیدہ کتاب تو اچھا ہو

ہر بچہ آنکھیں کھولتے ہی کرتا ہے سوال محبت کا
دنیا کے کسی گوشے سے اسے مل جائے جواب تو اچھا ہو

○

شہر پر ہم ترے اسرار نہیں کھولیں گے
آج سے خانہ بدوشوں کی زباں بولیں گے

آنکھ میں مصر کا زندان لیے پھرتے ہیں
خواب بستر پہ سمائے تو ذرا سو لیں گے

ان کو تو ترکِ محبت پہ ہنسی آتی ہے
جو اسے حادثہ کہتے ہیں وہی رو لیں گے

بولیاں، پیار، وفا کوئی بھی معیار نہیں
اب خریدار پرندوں کو فقط تولیں گے

روز جاتی ہے وہاں خاک اڑانے کے لیے
اپنی آواز کے ہمراہ کبھی ہو لیں گے

○

انہی دُوریوں نے بُجھا دِیے وہ دلِ ونظر کے الاؤ سے
میں نے خود کو کتنی صدائیں دیں تری بے رُخی کے پڑاؤ سے

تری ظلمتوں کے جہان میں مرا دل جزیرۂ روشنی
مگر اب کے سیلِ سیاہ میں وہ بھی بچ سکا نہ کٹاؤ سے

76

جہاں زیرِ آب ہے آج تک مری گھر بنانے کی آرزو
وہیں ایک شہر تھا بچ گیا جو ندی کے تیز بہاؤ سے

نہ تو موج موج حباب تھے نہ ہی ساحلوں کے سراب تھے
مرے پار اُترنے کے خواب تھے جو کنارہ کش رہے ناؤ سے

وہاں لوٹ آئی ہے فصلِ گل یہاں کشتِ جاں میں نظر پڑے
وہ جو مندمل تھے زخم سے وہ جو بھر چکے تھے وہ گھاؤ سے

یہاں جتنے تیر بھی آئے ہیں سبھی زہر میں ہیں بجھے ہوئے
کبھی اجنبی کی طرح ملو کبھی دیکھتے ہو لگاؤ سے

جنہیں تختِ دل پہ بٹھائے گا انہیں خاک میں بھی ملائے گا
وہی فیصلوں کا مجاز ہے جسے ضد ہے اپنے چناؤ سے

○
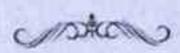
ایک حلقہ اس کا تو ہے دوسرا حلقہ ہوں میں
دور تک پھیلا ہوا ہے سلسلہ زنجیر کا

○

شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے
گھستے گھستے گھس گئے آخر کنکر جو نوکیلے تھے

خارِ چمن تھے شبنم شبنم پھول بھی سارے گیلے تھے
شاخ سے ٹوٹ کے گرنے والے پتے پھر بھی پیلے تھے

سرد ہواؤں سے تو تھے ساحل کی ریت کے یارانے
لُو کے تھپیڑے سہنے والے صحراؤں کے ٹیلے تھے

تابندہ تاروں کا تحفہ صبح کی خدمت میں پہنچا
رات نے چاند کی نذر کیے جو تارے کم چمکیلے تھے

سارے سپیرے ویرانوں میں گھوم رہے ہیں بین لیے
آبادی میں رہنے والے سانپ بڑے زہریلے تھے

تم یوں ہی ناراض ہوئے ہو ورنہ مے خانے کا پتا
ہم نے ہر اُس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

کون غلام محمد قاصرؔ بے چارے سے کرتا بات
یہ چالاکوں کی بستی تھی اور حضرت شرمیلے تھے

79

○
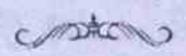
زمیں کے ہونٹوں پہ پیاس مچلے گی اور دیوارِ آسماں پر
سمندروں کی سخاوتوں کا سحاب سا اشتہار ہو گا

○
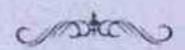
دور کے چاند نے کچھ راستے چمکائے ہیں
ورنہ اس رات کے دامن میں فقط سائے ہیں

جن کے عنوان سرابوں نے سنائے تھے ہمیں
پانیوں نے بھی فسانے وہی دہرائے ہیں

پھر نہ گھر جائیں کسی شہر کے ہنگاموں میں
ہم بیاباں سے بہت دور نکل آئے ہیں

ہم سے مایوس نہیں ہے ابھی تنہائی کہ ہم
ان کی محفل سے بہت اشک بچا لائے ہیں

80

○

آگ درکار تھی اور نور اٹھا لائے ہیں
ہم ہتھیلی پہ عبث طور اٹھا لائے ہیں

کیا ازل ہی سے یہی قحط بصیرت تھا کہ لوگ
دیکھ کر۔۔۔دیدۂ بے نور اٹھا لائے ہیں

اپنے شانوں کے کسی زخم سے آگاہ نہیں
تختِ شاہی کو جو مزدور اٹھا لائے ہیں

اب تو ماضی کے کھنڈر اور بھی ویراں ہیں کہ ہم
حادثے جو بھی تھے مشہور اٹھا لائے ہیں

اس نے پھینکا ہے زمیں پر تو کوئی بات نہیں
ہم بھی جنت کو بہت دور اٹھا لائے ہیں

○

یوں تو صدائے زخم بڑی دور تک گئی
اک چارہ گر کے شہر میں جا کر بھٹک گئی

خوشبو گرفتِ عکس میں لایا اور اس کے بعد
میں دیکھتا رہا تری تصویر تھک گئی

روتی رہی لپٹ کے ہر اک سنگِ میل سے
مجبور ہو کے شہر کے اندر سڑک گئی

قاتل کو آج صاحبِ اعجاز مان کر
دیوارِ عدل اپنی جگہ سے سرک گئی

○
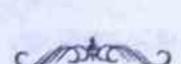
اسے یہ معجزہ شام و سحر الجھن میں رکھتا ہے
بکھرتے منظروں کی راکھ جو دامن میں رکھتا ہے

کئی بادل چھوئے ہم نے کئی سیلاب چکھے ہیں
وہ روکھے موسموں کا ذائقہ ساون میں رکھتا ہے

پرندے کیوں پسِ دیوار آ کر چہچہاتے ہیں
اسے معلوم ہو گا پیڑ جو آنگن میں رکھتا ہے

وہی دل تیرے دروازے پہ سب کچھ بھول جائے گا
جو دستک کا قرینہ اپنی ہر دھڑکن میں رکھتا ہے

○

کچھ یوں دھواں دھواں سی ملی آرزو مجھے
شعلوں کے پار جیسے بلاتا ہو تو مجھے

بینائی دیکھ آئی درندوں کے جسم پر
آتی تھی جس لباس سے یوسفؑ کی بو مجھے

84

ڈر کر شجر سے اڑ گئی پتوں کی ایک ڈار
تو قتل کر رہا تھا مرے روبرو مجھے

پھر یوں ہوا کہ ایک زمستاں زدہ درخت
جل جل کے گھورتا تھا لبِ آب جُو مجھے

○

ہم نے تو بے شمار بہانے بنائے ہیں
کہتا ہے دل کہ بُت بھی خدا نے بنائے ہیں

لے لے کے تیرا نام ان آنکھوں نے رات بھر
تسبیحِ انتظار کے دانے بنائے ہیں

ہم نے تمہارے غم کو حقیقت بنا دیا
تم نے ہمارے غم کے فسانے بنائے ہیں

ہم تو وہاں پہنچ نہیں سکتے تمام عمر
آنکھوں نے اتنی دور ٹھکانے بنائے ہیں

○

یاد اشکوں میں بہا دی ہم نے
آ کہ ہر بات بھلا دی ہم نے

گلشنِ دل سے گزرنے کے لیے
غم کو رفتارِ صبا دی ہم نے

اب اسی آگ میں جلتے ہیں جسے
اپنے دامن سے ہوا دی ہم نے

غم کی تشریح بہت مشکل تھی
اپنی تصویر دکھا دی ہم نے

86

○

کہتا ہے کون رو کے گزر جائے گی یہ رات؟
پلکوں کی سرحدوں پہ ٹھہر جائے گی یہ رات

سورج کی سمت جتنے مسافر روانہ ہیں
ساتھ ان کے تا بہ حدِ سفر جائے گی یہ رات

بے کار ہے خلا میں ستاروں کا ٹوٹنا
ناداں سمجھ رہے ہیں کہ ڈر جائے گی یہ رات

اے عشقِ نامراد ! تری عمر ہو دراز
تو مٹ گیا تو حسن کے گھر جائے گی یہ رات

○

غم کے نصاب میں شامل تھی ان کے عہد و پیماں کی کتاب
ورنہ ہم خود بھی رکھتے تھے دل کا صحیفہ، جاں کی کتاب

کہیں دریدہ، کہیں ہیں دھبے اور کہیں ہاتھوں کے نشاں
ہستی کا پیراہن ہے یا طفلِ ابجد خواں کی کتاب

88

وصل کے لفظ، فراق کی سطریں، یاد کے صفحے، غم کے ورق
کتنی پھیل گئی ہے قاصر عشق کے اک عنواں کی کتاب

○
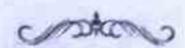
تیرتا تھا پھول جو تالاب میں
گھر گیا شاید کسی گرداب میں

جاگنے تک کس سے ہو گا انتظار؟
اب تو تعبیریں ہیں شامل خواب میں

زرد پتے کو حقارت سے نہ دیکھ
یہ بھی شامل ہے خزاں کے باب میں

دو پرندے لڑ رہے ہیں پیڑ پر
جنگ جاری ہے مرے اعصاب میں

○

بن میں ویراں تھی نظر شہر میں دل روتا ہے
زندگی سے یہ مرا دوسرا سمجھوتا ہے

جس کو اس فصل میں ہونا ہے برابر کا شریک
میرے احساس میں تنہائیاں کیوں بوتا ہے

تیرے بخشے ہوئے اک غم کا کرشمہ ہے کہ اب
جو بھی غم ہو مرے معیار سے کم ہوتا ہے

سو گئے شہر محبت کے سبھی داغ و چراغ
ایک سایہ پسِ دیوار ابھی روتا ہے

○

چراغاں کا ہوا آغاز دل میں
فروزاں ہے نگاہِ ناز دل میں

تمناؤں کے ہر موسم سے پہلے
اُترتی ہے تری آواز دل میں

پکارا جا رہا تھا ایک ہی نام
ہوئے تقسیم جب اعزاز دل میں

مکاں خالی کہاں رہتے ہیں قاصرؔ
کبھی شہلا، کبھی شہناز دل میں

○

وصل اور ہجر کی کہانی ہے
زندگی آگ ہے نہ پانی ہے

میں نئے زاویے سے دیکھتا ہوں
ورنہ تصویر تو پرانی ہے

ایک آنچل ہے آسماں تو نہیں
کیوں ہر اِک رنگ آسمانی ہے

ہونٹ بھی کہہ رہے تھے سچ لیکن
دل نے آنکھوں کی بات مانی ہے

○
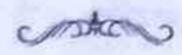
دیکھنے سے مرجھائے تُو وہ لاج ونتی ہے
ایک بار روٹھے تو مشکلوں سے منتی ہے

چاند ہے کہ سورج ہے فیصلہ نہیں ہوتا
نیل گوں دوپٹے سے روشنی سی چھنتی ہے

یوں مصوری میں گم ہو رہی ہے خطاطی
نام جب لکھوں اپنا تیری شکل بنتی ہے

جب بھی کوئی مشکیزہ آئے میرے خیمے کو
اِک قنات نیزوں کی راستے میں تنتی ہے

○

کہیں لوگ تنہا ، کہیں گھر اکیلے
کہاں تک میں دیکھوں یہ منظر ، اکیلے

گلی میں ہواؤں کی سرگوشیاں ہیں
گھروں میں مگر سب صنوبر اکیلے

اب اِک تیر بھی ہو لیا ساتھ ورنہ
پرندہ چلا تھا سفر پر ، اکیلے

زمانے سے قاصر خفا تو نہیں ہیں
کہ دیکھے گئے ہیں وہ اکثر اکیلے

94

○
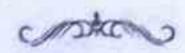
سَیل در سَیل ہم رواں ہی رہے
گھر سے نکلے تو ''بے اماں'' ہی رہے

تو نے دیکھا تھا کس نظر سے کہ ہم
آج تک خود سے بدگماں ہی رہے

جھوٹ کو خونِ دل سے سچ نہ بنا
داستاں ہے تو داستاں ہی رہے

آگیا ہے تو اب چمن سے نہ جا
بات پھولوں کے درمیاں ہی رہے

○

بنا رہا ہوں تری آنکھ کے اشارے پر
اسی کنارے کی تصویر اُس کنارے پر

سب اپنی اپنی خریداریوں کی فکر میں ہیں
نظر کسی کی نہیں ہے مرے خسارے پر

اسی لیے تو زمیں پر وہ اجنبی نہ لگے
میں ان سے پہلے ملا تھا کسی ستارے پر

ہوائیں آج بھی پیغامِ امن لائی ہیں
کہ اس نے کاٹ دیے فاختہ کے سارے پَر

96

○

ملنے کی ہر آس کے پیچھے ان دیکھی مجبوری تھی
راہ میں دشت نہیں پڑتا تھا چار گھروں کی دوری تھی

جذبوں کا دم گُھٹنے لگا ہے لفظوں کے انبار تلے
پہلے نشاں زد کر لینا تھا جتنی بات ضروری تھی

پیار گیا تو کیسے ملتے رنگ سے رنگ اور خواب سے خواب
ایک مکمل گھر کے اندر ہر تصویر ادھوری تھی

ایک غزال کو دُور سے دیکھا اور غزل تیار ہوئی
سہمے سہمے سے لفظوں میں ہلکی سے کستوری تھی

○

بس میں کسی کے گردشِ حالات بھی نہ تھی
آنا تمہارا اتنی بڑی بات بھی نہ تھی

ہم صبح سے چراغ جلاتے چلے گئے
اُس شام تک جو شامِ ملاقات بھی نہ تھی

98

گھر کے کسی ملول سے کمرے میں رہ گئی
خوشبو ترے بدن کی ترے ساتھ بھی نہ تھی

یوں مل رہے تھے جیسے جُدا ہو رہے ہوں ہم
اِک دُھند سی تھی دن بھی نہ تھا رات بھی نہ تھی

○

اسی لیے تو ہر اک دل میں گھر بناتا ہے
وہ خود بھی اپنی نگاہوں کے ساتھ جاتا ہے

خوشی کی لہر میں گزرے تو دیکھتا بھی نہیں
اداس ہو تو مجھے خواب میں بلاتا ہے

اسی کے عکس ہیں محفوظ میری آنکھوں میں
جو آئنے کی طرح شکل بھول جاتا ہے

اسے بھلا کے جو اپنی تلاش میں نکلوں
تو بولتا بھی ہے مجھ سے نظر بھی آتا ہے

○

کھلے گی رات اسی شام کے شگوفے سے
یہ کہہ سکا نہ میں ٹھکرا کے جانے والے سے

یہ حادثہ ہے کہ ناراض ہو گیا سورج
میں رو رہا تھا لپٹ کر خود اپنے سائے سے

تجھے یقیں نہیں آتا تو مسترد کر دے
ورق نہ پھاڑ تمناؤں کے صحیفے سے

میں اس کو آبِ رواں میں تلاش کرتا ہوں
وہ جھانکتا ہے مجھے عکس کے دریچے سے

○

درد کی لہریں ہیں دل میں آنکھ زیرِ آب ہے
شہر کو پانی ڈبونے کے لیے بے تاب ہے

سب ادائیں تشنگی کی ، سب دعائیں زیست کی
بند کمرے میں پڑی ہیں ، صحن میں سیلاب ہے

سانس دریا ، زندگی کشتی ، بدن ہے بادباں
اس سفر میں ساحلوں کا تذکرہ نایاب ہے

بے ردا ، دامن دریدہ ، پابجولاں ، سرنگوں
آج کس کو زندگی کے دیکھنے کی تاب ہے

○

رات کا ہر اک منظر رنجشوں سے بوجھل تھا
چاند بھی ادھورا تھا ، مَیں بھی نامکمل تھا

آنکھ کی منڈیروں پر آرزو نہیں لرزی
اک چراغ کی لَو سے اک چراغ اوجھل تھا

جا ملا ترے در کے گم شدہ زمانوں میں
میری عمر کا حاصل پیار کا جو اک پل تھا

کیوں سلگتی آوازیں بھیگ بھیگ جاتی تھیں
دشتِ نارسائی میں دھوپ تھی نہ بادل تھا

○

چہرہ چہرہ ہر صورت کو اپنی شکل میں ڈھال گیا ہے
شہر کے آئینوں سے باقی سارے عکس نکال گیا ہے

یوں تو عمرِ رواں کا ہر پل اک الجھن میں ڈال گیا ہے
لیکن دل پر نقش رہے گا ہجر کا یہ جو سال گیا ہے

کون زمانے کے مارے سے اظہارِ ہمدردی کرتا
وہ اپنے ماضی میں گم تھا جس تک میرا حال گیا ہے

اب تو شاید ذکرِ وفا سن کر بھی میرا دل نہ دھڑکتا
تیری یاد کا جھونکا پھر اس پھول میں خوشبو ڈال گیا ہے

○
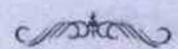
دور سہی لَوٹ کے گھر آئے گا
شام ڈھلے چاند نظر آئے گا

ختم ہوئیں جب مری خوش فہمیاں
ادھ کھلی آہوں میں اثر آئے گا

بے سرو سامانیوں کو لوٹنے
شاخ سے اک پھول اتر آئے گا

رات گئے گھر نہ سجا، سو بھی جا
خواب کوئی اب نہ ادھر آئے گا
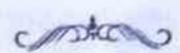
○

اسی لیے تو ہر اک دل میں گھر بناتا ہے
وہ خود بھی اپنی نگاہوں کے ساتھ جاتا ہے

خوشی کی لہر میں گزرے تو دیکھتا بھی نہیں
اداس ہو تو مجھے خواب میں بلاتا ہے

اسی کے عکس ہیں محفوظ میری آنکھوں میں
جو آئنے کی طرح شکل بھول جاتا ہے
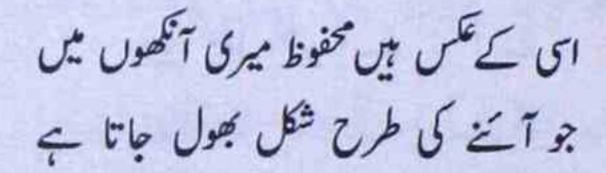
اسے بھلا کے جو اپنی تلاش میں نکلوں
تو بولتا بھی ہے مجھ سے نظر بھی آتا ہے

○

ہر اک رستہ وہیں آ کر ملے گا
اسی رستے میں اُس کا گھر ملے گا

وہی دیوارِ بے سایہ ہے جس میں
بھٹکتی دستکوں کو در ملے گا

دیا جلتا نظر آئے نہ آئے
اجالا سا منڈیروں پر ملے گا

ہوا ذروں کو کم کم چھیڑتی ہے
وہیں منظر کا پس منظر ملے گا

○
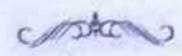
عکس کی صورت دکھا کر آپ کا ثانی مجھے
ساتھ اپنے لے گیا بہتا ہوا پانی مجھے

اس طرح قحطِ ہوا کی زد میں ہے میرا وجود
آندھیاں پہچان لیتی ہیں بآسانی مجھے

منجمد سجدوں کی ، یخ بستہ مناجاتوں کی خیر
آگ کے نزدیک لے آئی ہے پیشانی مجھے

○

بیٹھے ہیں زیرِ سایہ کچھ حق پرست ورنہ
میں تو گرا رہا تھا دیوارِ مصلحت بھی

پہلے اُدھر نظر کا ہم نے سفیر بھیجا
پھر اُس نے فتح کر لی خوابوں کی سلطنت بھی

108

قاصر مرے بیاں کی تصدیق کر رہے ہیں
مقتول کی قبا پر قاتل کے دستخط بھی

○
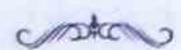
ان کی آرزو شامل ہو گئی امنگوں میں
آج شمع بھی جل کر مل گئی پتنگوں میں

نامراد لوٹ آئے خوشبوؤں کے سودائی
پھول سب گلستاں کے مبتلا تھے رنگوں میں

آنکھ شبنمی سی تھی ، رخ پہ برہمی سی تھی
آج کچھ کمی سی تھی سادگی کے رنگوں میں

○

قید ہو جائے اندھیروں میں مگر قتل نہ ہو
ورنہ افلاک اٹھا لائیں گے کالے سورج

کس کو معلوم ہیں آدابِ نظر میرے سوا
ابر آ جائے تو کرنوں کو بلا لے سورج

110

چھپ کے بیٹھا ہے مرے عیب چھپانے والا
میں جونہی شمع بجھاؤں وہ جلا لے سورج

○
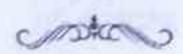
گلابوں کے نشیمن سے مرے محبوب کے سر تک
سفر لمبا تھا خوش بو کا مگر آ ہی گئی گھر تک

کہیں بھی سرنگوں ہوتا نہیں اخلاص کا پرچم
جدائی کے جزیرے سے محبت کے سمندر تک

محبت اے محبت! ایک جذبے کی مسافت ہے
مرے آوارہ سجدے سے تری چوکھٹ کے پتھر تک

○

ترا خیال جو خوابوں میں بھی خبر دے گا
تو عشق جاگ کے بیٹے کو قتل کر دے گا

دلوں کے شہر پہ شب خون مارنے والا
مجھے شکست نظر کے محاذ پر دے گا

بدن پہ روح کا ہر کرب لکھ رہے ہو تو کیا؟
وہ مل گیا تو توجہ لباس پر دے گا

○

اپنے اشعار کو رسوا سرِ بازار کروں
کیسے ممکن ہے کہ میں مدحتِ دربار کروں

دل میں مقتول کی تصویر لیے پھرتا ہوں
اور قاتل سے عقیدت کا بھی اظہار کروں

اب مرے شہر کی پہچان ہے اک وعدہ شکن
شہریت بدلوں کہ تاریخ کا انکار کروں

○

زندگی جب بھی تری یاد سے گھبراتی ہے
پیڑ سے ایک امربیل لپٹ جاتی ہے

آرزو عکس بکھرتے ہوئے آئینے کا
جس کو مہمان سمجھتے ہو ملاقاتی ہے

خواب گوں سائے نظر آتے ہیں بے خوابی کے
میرے کمرے کی فضا کتنی طلسماتی ہے

○
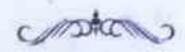
وعدے یخ بستہ کمروں کے اندر گرتے ہیں
میرے صحن میں جُھلسے ہوئے کبوتر گرتے ہیں

115

کہتے ہیں ان شاخوں پر پھل، پھول بھی آتے تھے
اب تو پتے جھڑتے ہیں یا پتھر گرتے ہیں

ذکر ہمارا ہونے لگا اب ایسی مثالوں میں
دریاؤں کے رخ پہ بنے گھر اکثر گرتے ہیں

○

تلاشِ حسن میں محوِ سفر ہیں ایک مدت سے
جوانی میری آنکھوں میں، محبت اس کے چہرے پر

بہانے اس کی باتوں میں، زمانے اس کے ہاتھوں میں
فسانے اس کی آنکھوں میں، حقیقت اس کے چہرے پر

116

○

دل کے محاذ پہ فتح و شکست کا ہر معیار ''اضافی'' ہے
میں آگے کو بڑھتا جاؤں شوق کہے پسپائی ہے

ہتھیاروں کی شکل میں جس نے جنگوں کو تقسیم کیا
درپردہ اس نے بھی کیا تسلیم کہ امن اکائی ہے

○

تیری نظر میں تھا میں تو نے نظر پھیر لی
اتنی بلندی سے اب کون اُتارے مجھے

برہمی جذبات میں اتنی کمی ذات میں
شہر کے سارے حسیں لگتے ہیں پیارے مجھے

○
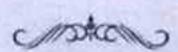
کیسے پہنچ گیا تری آنکھوں تک اشکِ غم
یہ بھی تو عاشقوں کے قبیلے کا فرد تھا

چھیڑا سحر نے پھر مجھے قاصر پکار کر
ورنہ تمام رات مرا نام درد تھا

○

گیسو گیسو بھٹکی خوشبو عارض عارض ٹھہرا رنگ
جانے کس کو ڈھونڈ رہے ہیں اندھی خوشبو بہرا رنگ

صحنِ چمن ہے ایک عدالت، پتے ضامن، خار وکیل
منصف گل چیں، شاہد خوشبو، مجرم پھول، کٹہرا رنگ

○

سینہ مدفن بن جاتا ہے جیتے جاگتے رازوں کا
جانچنا زخموں کی گہرائی کام نہیں اندازوں کا

آنکھیں آگے بڑھنا چاہیں پیچھے رہ جاتی ہے نظر
پلکوں کی جھالر پہ نمایاں، کام ستارہ سازوں کا

○
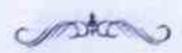
آنکھ سے بچھڑے کاجل کو تحریر بنانے والے
مشکل میں پڑ جائیں گے تصویر بنانے والے

جزوِ شعر نہیں ہیں قاصر جزوِ جاں کر ڈالے
ہم کو جتنے درد ملے تھے میر بنانے والے

○
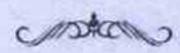
ملبوس کی اک سلوٹ نہ گئی زلفوں سے نہ پیچ و خم نکلے
زندوں کی طرح جینے کے لیے چالیس برس بھی کم نکلے

تہذیب کے نام پہ خود ہم نے ویران کھنڈر کی کھدائی کی
ملبے کو ہٹا کر دیکھا تو کہیں تم نکلے کہیں ہم نکلے

○

کتاب قتل ہوئی ہے لہو لہو ہے ورق
نیا سبق ہے یہ تاریخ کا سوال نہیں

ہمارے کم سن و معصوم جانے والوں کے پاس
وہ زندگی ہے جو پابندِ ماہ و سال نہیں

○
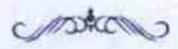
پھر تو اس بے نام سفر میں کچھ بھی نہ اپنے پاس رہا
تیری سمت چلا ہوں جب تک سمتوں کا احساس رہا

جن کی درد بھری باتوں سے ایک زمانہ رام ہوا
قاصرؔ ایسے فن کاروں کی قسمت میں بن باس رہا

○

زندہ ہے پر مانگ رہی ہے جینے کی آزادی
دیو کے چنگل میں شہزادی یہ کشمیر کی وادی

شاید ایسے اک میت پامالی سے بچ جائے
ماں نے کم سن بچی کی دریا میں لاش بہا دی

○
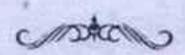
میں خود اپنی تاریکی میں رستہ بھول گیا
تُو نے تو ان کو دیکھا تھا اے سورج تو ہی بتا

کیسے تھے وہ ہونٹ وہ سچائی کا سرچشمہ
کیسی تھیں وہ آنکھیں جن میں کوئی غیر نہ تھا

○

اُس گاؤں نے چھاؤں سے اکتا کر
کل دھوپ کی پڑیا کھا لی تھی

البم میں ہزاروں تصویریں
اور ہر تصویر خیالی تھی

122

○

اک متروک محبت کو
ضد میں آ کے بحال کیا

باتیں اس کی بھول گئے
یاد جسے ہر سال کیا

○

نعمتیں تو ہوتی ہیں ذائقے نہیں ہوتے
بے ثمر زبانوں پر جب عذاب آتا ہے

آنکھ میں جو شبنم ہو چاہے جس قدر کم ہو
کچھ نہ کچھ علاقہ تو زیر آب آتا ہے

○

ہاتھ سخی نے روک لیا
دیکھ کے شکل سوالی کی

بات سے بات نکلتی ہے
اچھی آنکھوں والی کی

○

یکساں پڑے ہیں سب پہ بدلتی رتوں کے عکس
اک شاخ کو خزاں کا زیادہ ملال ہے

تیرہ شبی نے اس کو اجالا سمجھ لیا
جس چاند میں چراغ کی لو یرغمال ہے

○

چاند تاروں کو سیاہی میں بدل جاتی ہے
روز اِک یاد مرے خواب مسل جاتی ہے

پہلے اک سائے کو خوشبو سے نکلتے دیکھوں
پھر وہ خوشبو تری تصویر میں ڈھل جاتی ہے

متفرق اشعار

○

تری آنکھ سے مری آنکھ تک جو ہے ایک خواب کا فاصلہ
کہیں نیند نیند سے مل گئی تو مٹے گا ایک ہی رات میں

○

ایک چہرے کے جلوے بکھرنے تو دو
پھر ٹوٹے ہوئے آئنے دیکھنا

○

127

ویراں سمجھ کے شاخِ نشیمن نہ کاٹئے
شام آئی تو پرندے پلٹ کر بھی آئیں گے

○

لوگ خود ظلم سے مانوس ہوئے جاتے ہیں
تو ابھی عدل کے منشور میں ترمیم نہ کر

○

وہ بلندیاں ہوں کہ پستیاں سبھی فیصلے ہیں نگاہ کے
کہیں خود زمین پہ جھک گئی کہیں آسماں کو جھکا دیا

○

لبِ فرات کھلائے ہیں تو نے پیاس کے پھول
گدائے آب ہے قاصر جوازِ جاں کے لئے

○

128

دل میں جو پھول کھلتا تھا سب موسموں سے میں اس کا تعارف کراتا رہا
کیا خبر تھی کہ گلشن کو جاتے ہوئے ہر خزاں پہلے قاصر کے گھر آئے گی

○

نشے کی ضرب سے یا خود فراموشی کے تیشے سے
نہیں کٹتیں حقائق کی چٹانیں۔۔میں نہیں پیتا

○

شاید سماعتیں ہی رفاقت کی شرط ہیں
پانی کی لب کشائی یہ کائی خموش ہے

○

یہ بھی اک رنگ ہے شاید مری محرومی کا
کوئی ہنس دے تو محبت کا گماں ہوتا

○

ہجر ٹکسال میں ڈھالے گا غزل کے سِکے
تیری محفل میں کبھی بول نہ سکنے والا

○

مرے کچے گھروندے کی صدا پر
کبھی بارش کبھی سیلاب جاگے

○

بے چہرگی کے خوف سے ٹوٹا ہے آئنہ
چھایا تھا ایک عکس مرے خدوخال پر

○

سایوں کی زد میں آگئیں ساری غلام گردشیں
اب تو کنیز کے لیے راہِ فرار بھی نہیں

○

ترے لب جہاں یاد آنے لگے
وہیں رک گئے ہم اشارے بِنا

○

آج بھی زندگی میں شامل ہے
تیرے کوچے سے ہو کے گھر جانا

○
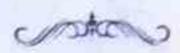
صلیبِ غم پہ جو سرسبز خواب جُھول گئے
مرے درخت بھی اب موسموں کو بُھول گئے

○

ایک آنچل کی آنچ سے قاصر
ہم جلے اور تا حیات جلے

○

میں نے پوچھا تھا کہ اخلاص کسے کہتے ہیں
ایک بچہ تری تصویر اٹھا لایا تھا

○

میں وہ دِیا بھی ہواؤں کی نذر کر بیٹھا
جو میرے پاس تری آخری نشانی تھی

○

لکھتا ہوں تو پوروں سے دل تک اک چاندنی سی چھا جاتی ہے
قاصر وہ ہلالِ حرف کبھی ہو پائے نہ ماہِ منیر تو کیا

○

قاصر وفا کے پیڑ کا قصہ عجیب ہے
شاخیں کھڑی ہیں پھل کا سہارا لیے ہوئے

○

کِسے کلیم کہوں میں کہ تیرے کوچے میں
ہر ایک ہاتھ چمکتا دکھائی دیتا ہے

○

پھولوں کی مہک ہے تازہ تازہ
گو قبر ہے سو برس پرانی

○
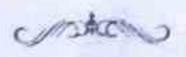
پہچان کے سفر میں خدوخال یاد رکھ
جب آئے گا وہ شکل پرانی میں آئے گا

○

کیا کروں میں یقیں نہیں آتا
تم تو سچے ہو بات جھوٹی ہے

○

کیا پسند جو کچے مکان والوں نے
تو اُس کو چھوڑ دیا خاندان والوں نے

○

جس شخص کے ہاتھوں میں ہے خنجر اسے قاتل
کہتے نہیں تم آج تو کل کون کہے گا

○

دیواریں گونگی بستی کی
سچ بول رہی تھیں روانی سے

○

کئی مہرِ نور بکف رہے مری زندگی کے مدار میں
وہ جو زرد چاند میں بات تھی کسی دوسرے میں نہیں ہے وہ

134

○

پہچان رہی تھی مجھے ساحل پہ بچھی ریت
اِک لہر چلی آئی سمندر سے نکل کر

○

حِنا کے واسطے سکھیاں ہتھیلی اس کی کھولیں گی
تو پہلی بار وہ سچی لکیریں جھوٹ بولیں گی

○

اک فلک زاد جو معمار نظر آتا ہے
ہر گھروندہ یہاں مسمار نظر آتا ہے

○

دو شہروں سے پہلے انساں کی ہر اک تعریف ادھوری تھی
اک شہر جو تُو نے چھوڑ دیا اک شہر جو تُو نے اپنایا

○

لگتا ہے کہ بادل بھول گئے
کس کس کی زمیں بارانی تھی

○

کچی ہے گلی اس کی بارش میں نہ جا اے دل
اس عمر میں جو پھسلے مشکل سے سنبھلتا ہے

○

قاصر نے اب تک تو دیکھا ہے فاقوں کا رقص
جوہری طاقت کیا ہے جوہر میر سے پوچھتے ہیں

○

ہم نہ بولیں گے چھپ کے رولیں گے
پھر بھی کچھ لوگ مسکرائے تو

○

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

وفا کے شہر میں اب لوگ جھوٹ بولتے ہیں
تو آ رہا ہے مگر سچ کو مانتا ہے تو آ

○
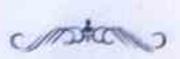
تری باتیں، تری خوشبو، تری چاہت، تری یادیں
دکانِ زندگی سے ہم یہی سامان لیتے ہیں

○

کربلا نقش ہے اب لوحِ اَبد پر کہ یہ شہر
پہلے مسمار ہوا بعد میں تعمیر ہوا

○

کج ادائی کی چادر سے منہ ڈھانپ کر سونے والا سرِ شام ہی سو گیا
خشک یادوں کے پتوں بھرے کھیت میں سانپ سا صبح تک سرسراتا رہا

منتخب کلام
غلام محمد قاصر

○
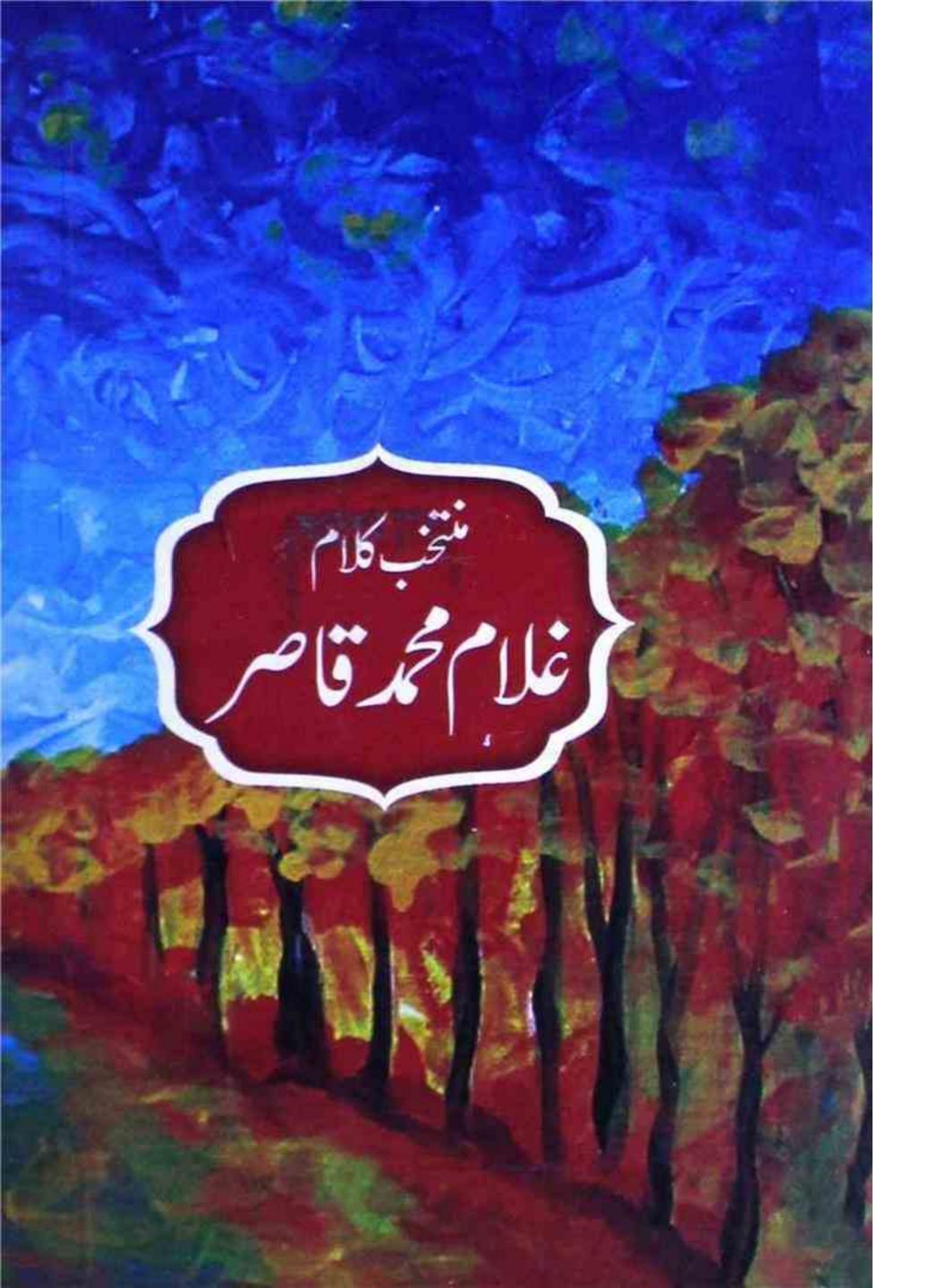
نظر نظر میں ادائے جمال رکھتے تھے
ہم ایک شخص کا کتنا خیال رکھتے تھے

○

ہے شوقِ سفر ایسا، اک عمر سے یاروں نے
منزل بھی نہیں پائی، رستہ بھی نہیں بدلا

○

میں نئے زاویے سے دیکھتا ہُوں
ورنہ تصویر تو پُرانی ہے

○

آنکھ سے بچھڑے کاجل کو تحریر بنانے والے
مشکل میں پڑ جائیں گے تصویر بنانے والے

○

پہلے اک شخص میری ذات بنا
اور پھر پُوری کائنات بنا

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

Price: Rs. 100/-